© rasailojaraid.com

اسلامی قانون اور اخلاق

سید عبدالرحمن بخاری ریسرچ آفیسر قائد اعظم لائبریری

مدنی الطبع[1] انسان کے لیے قانون ایک فطری اور بدیہی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر ہیئت

---

[1] حکمائے یونان سے لے کر حال کے سیاسی مفکرین اور قانونی ماہرین تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ انسان طبعاً معاشرت پسند ہے اور اگرچہ نظریۂ "معاہدہ عمرانی" (SOCIAL CONTRACT) کی بعض تعبیرات (خصوصاً ہابز کی تعبیر) اس تصور کے منافی نظر آتی ہیں لیکن بایں ہمہ انسان کا مدنی الطبع ہونا اپنی جگہ ایک ایسی اٹل فطری اور عملی حقیقت ہے جسے کسی صورت جھٹلایا نہیں جا سکتا ارسطو نے بجا کہا ہے کہ: جو شخص معاشرہ سے الگ تھلگ رہتا ہے وہ یا تو دیوتا ہے یا حیوان۔ معروف مسلم مفکر ابن خلدون اس حقیقت کی توضیح میں یوں رقمطراز ہے:

"ان الاجتماع الانسانی ضروری۔۔۔ وبیانه ان الله سبحانه خلق الانسان ورکبه علی صورة لا یصح حیاتها وبقاءها الا بالغذاء وهداه الی التماسه بفطرته وبما رکب فیه من القدرة علی تحصیله الا ان قدرة الواحد من البشر قاصرة عن تحصیل حاجته من ذلك الغذاء غیر موفیة له بمادة حیاته منه۔۔۔ فلابد من اجتماع القدر الکثیرة من ابناء جنسه لیحصل القوت له ولهم۔۔۔ وکذلك یحتاج کل واحد منهم ایضاً فی الدفاع عن نفسه الی الاستعانة بابناء جنسه۔۔۔ فلابد فی ذلك کله من التعاون علیه بابناء جنسه ومالم یکن هذا التعاون فلا یحصل له قوت ولا غذاء ولا تتم حیاته۔۔۔ فاذن هذا الاجتماع ضروری للنوع الانسانی والا لم یکمل وجودهم وما اراده الله من اعتمار

(باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتماعیہ کی تعمیر و تشکیل اور نظم زندگی کا قیام ممکن ہے نہ کارِ خلافت کی انجام دہی اور فرائض حیات کی حسن ادائیگی کیونکہ فطرت انسانی جلب منفعت اور دفع مضرت کی خاطر ظلم و تشدد اور بغاوت و سرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کی خواہاں ہونے کے باعث عدل و انصاف کی متقاضی بھی۔ پس عملی زندگی کا تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ ایک منظم اجتماعی زندگی کے قیام و استحکام کی خاطر عدل و انصاف پر مبنی قانون نظام کا وجود ناگزیر ہے۔

ابن سینا کہتے ہیں۔

"ان من المعلوم ان الانسان یفارق سائر الحیوانات بانہ لا یحسن معیشتہ لو انفرد وحدا یتولی تدبیر امرہ من غیر شریک یعاونہ علی ضروریات حاجاتہ ۔ ۔ ۔ فاذا کان ھذا ظاھراً فلا بد فی وجود الانسان و بقائہ من مشارکۃ، ولا تتم المشارکۃ الا بمعاملۃ کما لا بد فی ذلک من سائر الاسباب التی تکون لہ ولا بد فی المعاملۃ من سنۃ و عدل" [۱]

یعنی انسان کا باقی تمام حیوانات سے اس بناء پر ممتاز و منفرد ہونا معلوم ہے کہ وہ تنہا اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) العالم بھم واستخلافہ ایاھم (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۸،۳۷)

یعنی انسان کیلئے اجتماع لازمی ہے ۔۔۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صورت پر پیدا فرمایا کہ اس کی زندگی اور بقا غذا کے بغیر ممکن نہیں، چنانچہ خدا نے اسے تلاش غذا کی راہیں سمجھا دیں اور اس کے لیے مطلوبہ استعداد بھی عطا فرمائی لیکن انسان تن تنہا اپنی غذا کی ضرورت پوری کرنے سے قاصر ہے اور لوگوں سے الگ رہ کر اپنی زندگی قائم نہیں کر سکتا اسلیے اسے اپنے بہت سے ہم جنسوں کی بہت سی قدرتوں کی ضرورت ہے تاکہ اسے اور دوسرے لوگوں کو غذا مل سکے اسی طرح ہر شخص اپنی حفاظت کے سلسلہ میں بھی اپنے ہم جنسوں کے تعاون کا محتاج ہے الغرض بلا تعاون اسے غذا حاصل ہو سکتی ہے نہ وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ پس انسانی اجتماع ایک ضروری چیز ہے جس کے بغیر انسانی وجود کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی انسانی بقاء و حفظ عالم میں خدا کی مشیت پوری ہو سکتی ہے۔

[۱] ابن سینا، الشفاء (الالٰہیات)، ص ۴۴۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروریات حیات کی تکمیل نہیں کر سکتا بلکہ اجتماعی زندگی گزارنا اس کی فطری مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے شارکت و تعاون لازمی ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لیے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ کے مقالہ اولی میں یہی حقیقت بایں الفاظ بیان کی گئی ہے کہ:

" ان الباری تعالیٰ اراد بقاء نظام ھٰذا العالم الی وقت قدرہ وھو انما یکون ببقاء النوع الانسان ... والانسان من حیث انہ مدنی بالطبع لا یمکن ان یعیش علے وجہ الانفراد کسائر الحیوانات بل یحتاج الی التعاون والتشارك ببسط بساط المدنیۃ والحال ان کل واحد یطلب ما یلائمہ ویغضب علے من یزاحمہ فلاجل بقاء العدل والنظام بینھم محفوظین من النحلل یحتاج الی قوانین مؤیدۃ شرعیۃ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک معین مدت تک نظام عالم کی بقاء مقصود ہے جو کہ نوع انسانی کی بقاء سے وابستہ ہے ..... اور انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اس لیے دوسرے حیوانات کی طرح وہ تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا بلکہ فطرتاً بساط مدنیت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون اور اشتراک عمل کا محتاج ہے اور چونکہ ہر آدمی اپنی ضروریات کی تحصیل کے لیے سازگار ماحول چاہتا ہے اور اپنے حریف کے مقابلہ میں غضب کا اظہار کرتا ہے اس لیے بنی نوع انسان میں حقیقی عدل و انصاف اور نظام زندگی کو قائم رکھنے کی خاطر شرعی قوانین کی ضرورت ہے۔

پھر جس طرح ایک تمدن معاشرہ کے لیے قانون کا ناگزیر ہونا مسلم ہے اسی طرح یہ حقیقت بھی آشکار ہے کہ انسانیت مختلف معاشروں میں منقسم ہے اور ہر معاشرہ اپنی تشکیل کے مادی

---

[1] مجلۃ الاحکام العدلیہ مع شرح رستم باز، ص ۱۷، ۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و معنوی عناصر[۱]، نصب العین اور نظام فکر و عمل کے اعتبار سے دیگر معاشروں سے مختلف اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور چونکہ ہر قوم کا قانونی نظام اس کے نظریہ حیات، تہذیبی تصورات اور ملی احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لیے قومی مزاج کا اختلاف لازماً قانون کے اختلاف کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف انسانی معاشروں کے قانونی نظام ایک دوسرے سے اس قدر مختلف اور ممتاز ہیں جس قدر ان کے مآخذ یعنی نظریہ ہائے حیات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بقول ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاء:

"الشرع بوجه عام فی امة من امة ليس الاصورة صحيحة لحياة اجتماعية واقعية. . . . وليس اختلاف الشرائع بين الامم الا تعبيرا عن الاختلاف فی الحياة الاجتماعية والاقتصادية فيما بينها وفی الاهداف التی تتجه نحوها هذه الحياة، وفی المثل العليا التی تستلهمها الامة وتستدعيها عن عقيدتها"[۲]

یعنی قانون کسی امت کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی کی حقیقی تصویر ہوا کرتا ہے.... اور مختلف امتوں کے نظامہائے قانون کا باہمی اختلاف ان کی معاشرتی و اقتصادی زندگی، مقاصد و اہداف اور آداب و اقدار کے اختلاف پر مبنی ہوتا ہے۔

مختلف نظامہائے قوانین کا یہ اختلاف ہر قانونی نظام کے مجموعی تشریعی فکر میں منعکس

---

[۱] انسانی معاشرہ کے مادی اجزائے ترکیبی افراد و طبقات، خاندانی اکائیاں اور ادارتی تنظیم ہیں جبکہ معاشرتی تشکیل کے معنوی لوازم اساس اجتماعیت، وحدت نصب العین اور عمل وسعیٔ تکمیل سے عبارت ہیں (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مقالہ اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں کا تاریخی جائزہ در مجلہ منہاج لاہور شمارہ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

[۲] زرقاء: المدخل الفقهی الکام، ج ۱ ص ۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے تشریعی فکر سے مراد ہر قانونی نظام کے مخصوص مقاصد و اہداف، منفرد قواعد وضوابط اور جملہ وسائل و طرق تطبیق میں جاری وساری فکر ہی روح اور اس کے تمام شعبوں و اداروں پر محیط وہ مجموعی رنگ ہے جو اسے دیگر نظامہائے قوانین سے تفرد و امتیاز بخشتا ہے۔

اسلامی معاشرہ اپنی تشکیل و تنظیم کی ایمانی اساس، عالمگیر اجتماعی نصب العین اور جملہ مظاہر حیات پر محیط یکسانئ فکر و کردار کے لحاظ سے دیگر تمام انسانی معاشروں سے یکسر مختلف و ممتاز ہونے کے ناطے اپنا ایک منفرد قانونی نظام رکھتا ہے جو آخری ہدایت ربانی کا ایک لازمی اور حسین وحرکی جزو ہے۔ یہ آفاقی ربانی ہدایت، یعنی اسلام ایک جامع، مکمل اور ہمہ گیر نظام حیات ہے جس کی نمایاں ترین خصوصیت تناسق و توازن اور وحدت و جامعیت ہے کہ اس کے تمام شعبے اور اجزاء باہم مربوط و منسلک ہو کر ایک ناقابل تقسیم وحدت کی تشکیل کرتے ہیں اور پھر اُسی مربوط کُل کے حوالے سے اپنا جداگانہ تعین اور تشخص ابھارتے ہیں۔ اسلامی تصور قانون بھی پورے نظریۂ زیست کا ایک جزو اور پہلو ہے جس کی تشریح و تفہیم اس پورے نظام فکر و عمل کی روشنی میں ہی کی جاسکتی ہے۔

اسلام میں قانون کے جزو دین ہونے اور تمام اجزائے اسلام کے باہم ارتباط و تناسق کا لازمی نتیجہ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا قانونی نظام نہ صرف آفاقی الہامی اقدار و احکام پر مشتمل اور دینی تقدس واحترام کا حامل ہے بلکہ یہ اسلام کے تمام تہذیبی و روحانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ اور دین فطرت کے جملہ خصائص واوصاف کا جامع بھی ہے اور اگر اس حقیقت کے حوالے سے اسلام کے تصور قانون پر غور کیا جائے تو اس کے حسب ذیل نمایاں خدوخال سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اسلامی قانون کا سنگِ بنیاد مشروعیت علیا (SUPER LEGALITY) کا منفرد دینی تصور ہے جو ایمانی تقاضوں کی تکمیل، احکام الٰہیہ کے نفاذ اور مصالح اجتماعیہ کی تحصیل میں وحدت و تضامن کے مظاہرہ سے تعبیر[۱] ہے۔ اور جو دراصل ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کے اس کلی اور عمومی ایقان و اذعان پر استوار ہے جس کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل و تنظیم عمل میں آتی ہے اور جس کا لازمی نتیجہ زندگی کے تمام فکری اور عملی دائروں میں اللہ تعالیٰ

---

[۱] مصطفیٰ کمال وصفی: مصنفۃ النظم الاسلامیۃ، ص ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حاکمیت مطلقہ اور اس کے عطا کردہ احکام واقدار کی کلی سیادت وفوقیت کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔

بناء بریں چونکہ اسلامی قانون کا منبع وحیٔ الٰہی ہے اس لیے قرآن وسنت اور ان سے مستفاد مصادر شریعت سے حاصل ہونے والے احکام خداوندی تنظیم زندگی کی اساس اور حق و انصاف کا معیار قرار پاتے ہیں۔ ہر چیز کے نفع وضرر اور جواز و عدم جواز کا پیمانہ الہامی ہدایت ٹھہرتا ہے اور یوں انفرادی واجتماعی زندگی کے جملہ مظاہر و آثار اور تمام عمرانی سیاسی اور قانونی نظمہ واحوال پر ایک دینی وایمانی اور اخلاقی وروحانی رنگ چھا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں معاشرہ کا ہر فرد اور ہر ادارہ مشترک دینی نصب العین کے حصول کی جدوجہد میں فکری، عملی اور روحانی اعتبار سے ایک مربوط، حرکی اور فعال قوت کا روپ دھار لیتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

"والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة ويطيعون الله ورسوله[1]

یعنی مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ومددگار ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ سے بخوبی عیاں ہے۔

۲۔ اسلامی نظام قانون، دین کا ایک شعبہ اور جزو ہونے کی حیثیت سے بنیادی طور پر دین کے عمومی مقاصد وغایات یعنی عبودیت باری تعالیٰ (وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون[2]) عمارت ارض (هو انشاكم من الارض واستعمركم فيها[3]) اور فلاح انسانیت (كنتم خير امة اخرجت للناس[4]) کی تکمیل کا ایک ذریعہ اور وسیلہ

---

[1] التوبۃ: ۷۱۔

[2] الذاریات: ۵۶۔

[3] ھود: ۶۱۔

[4] آل عمران: ۱۱۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی قانون کا ہر ہر حکم بیک وقت عمرانی، اخلاقی اور روحانی تینوں پہلو رکھتا ہے یہاں حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس باہم اس قدر مربوط و متناسق بلکہ مخلوط و ممتزج ہیں کہ ان میں خط امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا۔ اللہ کا ہر حق، انسانی فطرت کا تقاضا ہونے کے ناطے بندے کے اپنے نفس اور ابنائے جنس کا حق بھی ہے اسی طرح اپنے نفس اور بندوں کا ہر حق، بدرجۂ آخر خدا کے حق کی حیثیت بھی اختیار کر لیتا ہے۔

۲۔ اسلام زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت تصور کرتا اور پوری زندگی کو الہامی ہدایت کے تابع بناتا ہے۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ زندگی کی تعمیر و تنظیم اور بقاء و استحکام کے وجود میں آنے والے تمام معاشرتی، سیاسی اور قانونی نظام بھی وحدت و جامعیت اور توازن و تناسق کے حامل ہوں۔ اور ایسا تبھی ممکن ہے جب زندگی کے مختلف شعبوں میں جاری ہونے والے یہ سارے نظام ایک ہی دینی و الہامی سرچشمہ سے پھوٹتے ہوں اسلامی قانون کا منبع چونکہ ابدی و آفاقی دین فطرت اسلام ہے، اس لیے یہ ایک جامع، مکمل اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی تمام شعبوں اور دینوی و اخروی دونوں نادیوں کو یکساں محیط ہے۔ کولسون کا یہ قول مبنی بر حقیقت ہے کہ:

In theory of course the shariah has always been a totalitanian and comprehensive code of conduct covering every aspect of human life and regulating the individuals relations with God, with the state, with his neighbor, and with his own conscience on the same single basis of the dictates of the divine command.[1]

یعنی نظری طور پر شریعت اسلامیہ ہمیشہ سے حیات انسانی کے تمام شعبوں پر محیط ایک مکمل اور جامع ضابطۂ عمل ہے جو انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق، نیز ریاست

---

1. COULSON: CONFLICTS & TENSIONS IN ISLAMIC JURISPRUDCENCE p.18

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑوسیوں اور خود اپنے شعور کے ساتھ تعلقات کی تنظیم الہامی ہدایت سے ماخوذ یکساں بنیادوں پر کرتی ہے۔

اسلامی قانون کا یہ وصف جامعیت و استیعاب خود فقہ کی اس تعریف سے عیاں ہے جو اولیں مدوّن فقہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے "ھو معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا"[1] کے الفاظ میں منقول ہے۔ یہاں "ما لھا وما علیھا" کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ ماینتفع بہ النفس وما ینضر بہ فی الدنیا والاخرۃ[2] یعنی فقہ ان تمام چیزوں کی معرفت کا نام ہے جن سے دنیا اور آخرت میں نفس انسانی کو فائدہ یا نقصان پہنچے۔ اس تعریف کی رو سے فقہ گویا کل اعتقادیات، کل وجدانیات یعنی اخلاق باطنہ وملکات نفسانیہ اور کل عملیات کی معرفت کا نام ہے[3] بناء بریں شرح منہاج اور مسلم الثبوت وغیرہ کتب اصول میں وجدانی اور اخلاقی مباحث کو فقہ میں شامل قرار دینا مبنی برحقیقت ہے۔ مثلاً یہ تصریح کہ: ان تحریم الحسد والریاء من الفقہ[4]، یعنی حسد وریا کی حرمت کا تعلق فقہ سے ہے۔

۴۔ ابدی و آفاقی دین کا ایک حصہ ہونے کے باعث اسلامی قانون اپنے مبادی، مقاصد اور احکام کے لحاظ سے زمانی اور مکانی حدود سے ماوراء ایک عالمگیر اور دوائمی قانون ہے اس کی مخاطب کل انسانی دنیا اور اس کی حجیت تا قیامت برقرار ہے۔

بقول ابن قیم:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو عام الرسالۃ الی کل مکلف

---

[1] تھانوی: کشاف اصطلاحات الفنون، ج ا ص ۳۰۔

[2] شرح مسلم الثبوت ص ۱۱

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲ ص ۔

[4] شرح مسلم الثبوت۔ ص ۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرسالته عامة فى كل شئ من الدين اصوله و فروعه و دقيقه وجليله، فلما لا يخرج احد عن رسالته فكذلك لا يخرج حكم تحتاج اليه الامة عنها وعن بيانه له [1]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت دائمی اور عالمگیر ہے جس کے دائرہ سے کوئی انسان خارج نہیں اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عقائد و اعمال سے متعلق ہر چیز کو شامل ہے اس لئے جس طرح رہتی دنیا تک انسانیت کا ہر فرد تمام احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے۔ اسی طرح ہر دور میں امت کی ضرورت کے تمام احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں موجود ہیں۔

علامہ شاطبی نے یہی حقیقت ان الفاظ میں اجاگر کی ہے کہ:

"الشريعة بحسب المكلفين كلية عامة، بمعنى انه لا يختص بالخطاب بحكم من احكامها الطلبية بعض دون بعض ولا يحاشى من الدخول تحت احكامها مكلف البتة" [2]

یعنی شریعت اسلامیہ مکلفین کے اعتبار سے کلی، عام اور ہمہ گیر ہے بایں طور کہ اس کے احکام و ضوابط اور اوامر و نواہی بعض ادوار یا افراد تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک ہر مکلف ان احکام کا پابند ہے۔

۵۔ اسلامی نظام قانون اگر ایک طرف اپنے مقاصد و مبادئ کے لحاظ سے مثالیت کا آئینہ دار ہے تو دوسری جانب اپنے فروع و احکام میں فطرت انسانی کے عمرانی مقتضیات سے بھی مکمل مطابقت رکھتا ہے بقول امیر علی: اسلام میں ایک بلند نظر مقصدیت، ایک انتہائی معقول عملیت کے ساتھ جمع کر دی گئی ہے [3] چنانچہ اس میں دین و دنیا

---

[1] ابن قیم: اعلام الموقعین، ۱: ۳۵۰۔

[2] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۲۴۴۔

[3] امیر علی: روح اسلام، ص ۲۹۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روح و مادہ اور ظاہر و باطن کا ایک حسین و متوازن امتزاج پایا جاتا ہے۔ جو اس کے استنادی و اجتہادی مصادر، روحانی و عمرانی مقاصد اور اخلاقی و تنظیمی قواعد میں پوری طرح جلوہ گر ہے۔

یہ تھے اسلامی نظام قانون کے چند نمایاں خدوخال جن کے حوالے سے قانون اور اخلاق کے باہمی تعلق پر غور کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں قانون اور اخلاق ایک مربوط کل کے دو لاینفک اجزاء اور باہم وسیلہ و غایت کی حیثیت لازم و ملزوم ہیں۔

اسلامی قانون اور اخلاق کا یہ ارتباط بنیادی طور پر سہ ابعادی ہے۔

۱۔ اخلاق بطور منبع قانون۔

۲۔ اخلاق بحیثیت غایت قانون۔

۳۔ اخلاق بطور لازمۂ قانون

اوّلاً: ۔ اخلاق بطور منبع قانون:

اخلاق کی ماہیت میں جزوی اختلافات کے باوجود، یونان سے لیکر حال تک کے تمام حکمائے اخلاق اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ اخلاق کا مبدأ اور مأخذ انسان کے قوائے نظریہ اور ملکات نفسانیہ ہیں۔ چنانچہ ابن مسکویہ نے تہذیب الاخلاق، میں یونانی فکر اور غزالی نے احیاء العلوم، میں اسلامی فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے اخلاق کی تعریف یہ کی ہے کہ

"الخلق عبارة عن هيئة فى النفس راسخة عنها تصدر الافعال بسهولة ويسر من غير حاجة الى فكر وروية فان كانت الهيئة بحيث تصدر عنها الافعال الجميلة المحمودة عقلا وشرعا سميت تلك الهيئة خلقا حسنا وان كان الصادر عنها الافعال القبيحة سميت الهيئة التى هى المصدر خلقا سيئا[۵]

یعنی خلق نفس کی اس ہیئت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام افعال بآسانی، بلاتکلف صادر ہوں۔ اگر افعال عقلاً و شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ہیئت کو خلق حسن اور اگر برے

۵۔ الغزالی: احیاء علوم الدین، ج ۳ ص ۵۳، نیز دیکھئے جامع السعادات للنراقی، ج ۱ ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور قابل مذمت ہیں تو خلق قبیح کہتے ہیں۔

یہاں نفس کی ہیئت راسخہ اس قلبی کیفیت اور فطری ملکہ سے تعبیر ہے جو انسانی کردار کی اساس، جملہ شعوری اعمال کا محرک اور تکوین اخلاق کا مایۂ خمیر ہے

یہ فطری ملکۂ اخلاق دراصل انسانی ذات میں ودیعت قوائے عقلیہ، شہویہ اور غضبیہ سے پھوٹنے والے ان متنوع نفسی جذبات پر مشتمل ہے جن کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتی ہے اور جن کے مظاہر اخلاقی اعمال کی صورت میں نمود پاتے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے فطرت انسانی کے یہ متوازن قوی و جذبات نہ صرف احساس عبدیت (کل لہ قانتون) نفسی بصیرت (بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ) اور فجور و تقوی میں امتیاز کے داعیہ (فالھمھا فجورھا وتقوىٰھا) سے بہرہ ور ہیں بلکہ ہر قسم کے مادی اور روحانی کمالات کے حصول کی استعداد سے بھی مالا مال ہیں۔

جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ: الذی خلقک فسواک فعدلک میں مفسرین نے انسان کے جسمانی اور روحانی دونوں قوی کے اعتدال کو شامل قرار دیتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں کمالات کے حصول کی پوری استعداد ودیعت فرمائی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

"خص اللہ تعالیٰ الانسان بادراک زائد وعقل مستوفی ودس فیہ معرفۃ بارئہ والعبادۃ لہ وانواع مایرتفقون بہ فی معاشھم وھو الفطرۃ [1]

یعنی انسان کو اللہ نے عقل و ادراک بخش کر اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی فطرت میں یہ خاصیت رکھ دی کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت پر مائل ہو، نیز اس کو ارتفاقات ضروریہ کا علم بھی جبلی طور پر عطا فرمایا جس پر اس کی زندگی بسر کرنے کا نظام قائم ہے۔

یہی حقیقت امام غزالی نے ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ: مذموم اعمال کی طرف نفس

© rasailojaraid.com

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ج ا ص ۱۶۷

© rasailojaraid.com

کی کشش اور میلان انسانی فطرت اور طبیعت کے خلاف ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بعض بچوں کو چوری چھپے مٹی کھانے کی عادت ہو جاتی ہے مگر اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عبادت و معرفت کی طرف نفس کی کشش ایسی ہے جس طرح کھانے اور پینے کی طرف کیونکہ یہ فطرت و طبیعت کے عین مطابق ہے اور قلب کی عین آرزو ہے [1]

انسان کی فطرت یہی ہے جس پر وہ پیدا ہوتا ہے اور جس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری ہی بقاء دار تقاضائے حیات کی ضامن ہے چنانچہ تمدن کے دوسرے شعبوں کی طرح قانونی نظام کی درستی، افادیت اور بقاء کا انحصار بھی مقتضیات فطرت سے مطابقت پذیری پر ہے اور جس طرح یہ امر مبنی بر حقیقت ہے کہ انسان کو قانون شریعت کا مکلف بنانا اور اپنے اعمال کا ذمہ دار گردانتا اس کی فطرت اور صورت نوعیہ کا تقاضا ہے۔

بقول شاہ ولی اللہ:

"ان التکلیف من مقتضیات النوع وان الانسان لسأل ربه بلسان استعداد ان یوجب علیه ما یناسب القوة الملکیة ترتیب علی ذلک وان محرم علیه الانھماك فی البھیمیة و یعاقب علی ذلك [2]

یعنی تکلیف انسان کا تقاضائے نوعی ہے اور وہ فطری استعداد کے ذریعہ رب کریم سے ملتجی ہے کہ تقاضائے ملکیت کی جملہ باتیں اس پر فرض کر دی جائیں اور ان کی بجا آوری پر اس کو ثواب ملے اور تقاضائے بہیمیت میں منہمک ہونے کو اس کے لیے ممنوع کر دیا جائے اور ان ممنوعات کے ارتکاب پر اس کو سزا دی جائے۔

اسی طرح قرآن و سنت کی بیسیوں نصوص بالخصوص ارشاد باری تعالیٰ:

---

[1] الغزالی: احیاء علوم الدین مترجم: ج ۳ ص ۶۳

[2] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ: ج ۱ ص ۲۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التى فطرالناس عليها [1]

یعنی اپنے آپ کو دین فطرت سے وابستہ کرلو کہ یہ فطرت اللہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

اور حدیث پاک:

کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه اوینصرانه اویمجسانه" [2]

یعنی ہر نو مولود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

کی روشنی میں یہ حقیقت بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اسلامی قانون اپنے ... مقاصد، مصادر اور تمام کلی و جزئی احکام میں فطرت انسانی کے داخلی مطالبات سے مکمل ہم آہنگی رکھتا ہے حلت و حرمت اور ندب و اباحت کے اس قانونی دائرے میں کوئی اساسی یا ذیلی حکم ایسا نہیں جو فطرت انسانی سے کسی طور مغایرت رکھتا ہو بلکہ ہر سلبی اور ایجابی قاعدے کی بنیاد کسی نہ کسی داعیۂ فطرت پر استوار ہے۔

اور یہیں سے ارتباط قانون و اخلاق کی وہ بنیادی نوعیت متعین ہوتی ہے جس کی رو سے اخلاق بالآخر قانونی نظام کے منبع اور سرچشمہ کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ قانون اور اخلاق کا یہ تعلق اگرچہ تفصیلی وضاحت کا متقاضی ہے لیکن طوالت کے خوف سے یہاں اس سلسلہ میں صرف اجمالی اشارات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

۱۔ اوپر بیان ہوا کہ اخلاق کا سرچشمہ انسان کے فطری جذبات اور داخلی کیفیات ہیں انہی جذبات فطرت اور قوائے طبیعیہ کے حد صلاحیت میں رہتے ہوئے درست اور برمحل استعمال سے اخلاق حسنہ جنم لیتے ہیں جبکہ ان فطری مقتضیات کے استعمال میں لغزش

---

[1] الروم ۱:۳۰

[2] البخاری، الجامع الصحیح، ج ۲، ص ۱۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور غلطی اخلاق سیئۂ کی تکوین کا باعث بنتی ہے [۱]

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی ذات میں جس قدر قوتیں پائی جاتی ہیں اور جذبات کا جس قدر عطیہ اسے ملا ہے وہ دراصل بجائے خود اخلاق ہیں اور اگر ان میں کبھی کبھی یا بسا اوقات کوئی نقص پایا جاتا ہے یا کوئی لغزش پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا محرک انسان کی فطرت یا طبعی قوی نہیں ہوتیں بلکہ انکا بے جا استعمال اور انکے استعمال میں غلطی ہی انہیں بد اخلاقی کا لباس پہناتی ہے جیسا کہ اوپر امام غزالی کے حوالے سے بیان ہوا کہ مذموم اعمال کی طرف نفس کی کشش اور میلان انسانی فطرت اور طبیعت کے خلاف ہے۔ اس کی تائید اس حدیث طیبہ سے بھی ہوتی ہے کہ

استفت قلبك واستفت نفسك البر ما اطمئن اليه القلب واطمئنت اليه النفس والاثم ما حاك في القلب وتردد في النفس وان افتاك الناس [۲]

یعنی نیکی اور برائی کے بارے میں اپنے دل اور نفس سے فیصلہ طلب کرو۔ اور یہ سمجھ لو کہ نیکی وہ عمل ہے جس کے ارتکاب کے بعد دل و نظر میں طمانینت کا احساس پایا جائے اور گناہ وہ عمل ہے جو دل میں کھٹکتا ہو اور وتردد و خلجان کا موجب ہو ہر چند کہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ انسان کے طبعی قوی اور فطری جذبات بجائے خود برے نہیں نہ گناہ اور بد خلقی اس کا مایۂ خمیر ہے بلکہ وہ اپنی خلقت میں سادہ اور پاک ہے اور اس کی یہ قوی و ملکات درست استعمال سے اخلاق حسنہ اور غلط استعمال سے اخلاق سیئہ کا روپ دھار لیتے ہیں۔

بناء بریں حیات اجتماعیہ کی تشکیل و تنظیم کی خاطر ان قوائے فطریہ کے درست و برمحل استعمال کے لیے حدود و قیود کا تعین اور ضوابط کی تحدید بالفاظ دیگر اخلاقی اصولوں اور

---

[۱] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۱: ص ۲۰

[۲] مسند امام احمد، ج ۴: ص ۲۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقدار کی ضابطہ بندی فطرت انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا ہے کیونکہ بعض اعلیٰ طبائع سے قطع نظر نوع انسانی کی عام اکثریت کے لیے محض مثالی اخلاقی ہدایات کوئی معنی نہیں رکھتیں جب تک انہیں صریح الفاظ میں قانونی وجوب و قطعیت کے ساتھ اور جزا و سزا سے منسلک کر کے ایک مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں نہ پیش کیا جائے۔[1]

گہری نظر سے جائزہ لینے پر خود اخلاق کے مفہوم میں ہی فرضیت و لزوم کا عنصر شامل نظر آتا ہے کیونکہ اخلاق در حقیقت ہمہ گیر فطری قاعدوں اور ابدی حیاتی قدروں کے ذریعہ انسانی عمل و کردار کو منضبط بنانے سے عبارت ہے یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب و نظریہ ہائے اخلاق بنیادی طور پر لزوم کے تصور پر استوار ہیں جیساکہ ڈاکٹر عبداللہ دراز اپنی مایۂ ناز تصنیف ''دستور الاخلاق فی القرآن'' میں رقمطراز ہیں:

"یستند ای مذھب اخلاقی علی فکرۃ الالزام، فھو القاعدۃ الاساسیۃ والمدار والعنصر النووی الذی ید ورحولہ کل النظام الاخلاقی والذی یؤدی فقدہ الی سحق جوھر الحکمۃ العلمیۃ ذاتہ وفناء ماھینتھا، ذلك انہ اذا لم یعد ھناك الزام، فلن تکون ھناك مسئولیۃ واذا عدمت المسئولۃ فلا یمکن ان تعود العدالۃ وحینئذ تتنشی الفوضی ویفسد النظام وتعم الھمجیۃ لا فی مجال الواقع فحسب، بل فی مجال القانون ایضاً[2]

یعنی تمام اخلاقی نظریات لزوم و فرضیت کے تصور پر قائم ہیں کہ یہی وہ اساسی قاعدہ اور محوری عنصر ہے جس پر کل اخلاقی نظام استوار ہے اس کا فقدان جوہر حکمت اخلاقیہ کا خاتمہ ہے کیونکہ فرضیت کے بغیر مسئولیت کا احساس نہیں ابھرتا اور احساس مسئولیت کے فقدان سے نظام معاشرہ تہ و بالا ہو کر نہ صرف عملی اخلاق بلکہ قانونی نظام بھی انارکی، فوضویت اور بربریت کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

حکماء نے اخلاق کی اس فرضیت و لزوم کے متعدد مصادر بیان کیے ہیں لیکن بقول سید امیر علی

---

[1] امیر علی: روح اسلام، ص ۳۰۲۔

[2] محمد عبداللہ دراز: دستور الاخلاق فی القرآن، ص ۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں مذہب کی تصدیق و توثیق بصورت تکلیفات شرعیہ سے بڑھ کر اور کوئی ضمانت نہیں ہو سکتی [1]

یہی وجہ ہے کہ وہ مذہب سب سے زیادہ توجہ اور احترام کا مستحق ہے جو اجتماعی مطالب اور انسانی فرائض کی ضابطہ بندی کر کے اخلاق بنیادی اصولوں کو تنظیم کرے اور اس سلسلہ میں دین فطرت اسلام کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس نے فطری اصول اخلاق میں فرضیت و لزوم کا عنصر شامل کر کے انہیں تکلیفات شرعیہ اور احکام قانونیہ کا رنگ دے دیا ہے۔ چنانچہ اسلامی قانون میں اشیاء کی حرمت و اباحت کا مدار ان کے طیب و خبث یعنی اخلاق کے لیے نفع بخش یا مضرت رساں ہونے پر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

"یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبٰئث [2]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں۔ سے عیاں ہے۔ اسی طرح اعمال انسانی کا جواز و عدم جواز ان کے حسن و قبح ذاتی یعنی ملکات اخلاقیہ سے ملائمت اور عدم ملائمت پر ہے معروف اور منکر کے اصطلاحی مفہوم میں سے ظاہر ہے کہ اعمال کے حسن و قبح کا معیار اور پیمانہ فطرت انسانی ہے [3]

---

[1] امیر علی۔ روح اسلام، ص ۲۹۳۔

[2] الاعراف: ۱۵۷۔

[3] اگرچہ علمائے فقہ و اصول کے مابین اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا اعمال کا حسن و قبح ذاتی ہے یا خطاب شارع کے تابع۔ چنانچہ معتزلہ اور ماتریدیہ اس رائے کے حامل ہیں کہ افعال کا حسن و قبح ذاتی ہے اور اس کی بنیاد ان اعمال کی فطرت انسانی سے مطابقت اور عدم مطابقت ہے کہ فطرت کے موافق اعمال حسن ذاتی کے حامل ہیں اور اس کے مخالف اعمال بالذات قبیح اور شر ہیں۔ اشاعرہ کے نزدیک حسن و قبح اعمال کا مدار سراسر خطاب شارع پر ہے۔ تاہم ان کے نزدیک بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ شارع کے احکام کلیۃً انسانی فطرت کے مطابق ہیں کیونکہ اسلام سراسر دین فطرت ہے۔ اس بناء پر یہ حقیقت سب کے نزدیک بالاتفاق مسلم ہے کہ اعمال کا حسن و قبح خواہ ذاتی اور عقلی ہو یا شرعی اور الہامی، بہر طور اس کا معیار اور پیمانہ فطرت انسانی کے ساتھ مطابقت اور عدم مطابقت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرت کے موافق اعمال حسن ذاتی کے حامل اور اسلامی قانون میں اباحت سے لیکر فرضیت تک کی قانونی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ فطرت انسانی کے ناموافق اعمال شرعاً وعقلاً قبیح اور شریعت اسلامیہ میں خلاف اولیٰ سے لے کر حرام تک کی قانونی حیثیت کے حامل ہیں۔ حقوق و فرائض کے شرعی دائرہ میں اخلاق فطریہ کی کارفرمائی اس سے عیاں ہے کہ شریعت کا نظام عبادات، انسان کے فطری داعیۂ عبودیت کی تسکین، تنظیم اور اظہار کا نام ہے شخصی قوانین PERSONAL LAW انسان کے عزیزہٗ حفاظت ذات و نوع کے مظاہر ہیں اور دیگر تمام سیاسی، اقتصادی، اجتماعی اور تعزیری قوانین درحقیقت جبلی شعور ارتفافات کی تنظیم سے متعلق ہیں اور اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں قانون کا منبع فطری اخلاق ہے۔

۲۔ نفس انسانی چونکہ فطری طور پر انہی امور و افعال کی طرف رغبت و میلان اور انہیں بسہولت بجالانے کی قدرت رکھتا ہے جو اس کے فطری داعیات اور طبعی قویٰ سے پوری طرح مناسبت رکھتے ہوں اور نفس کیلئے بہجت انگیز و افادیت بخش ہوں اور ان امور و افعال سے نفور اور گریزپا ہے جو فطرت انسانی سے میل نہیں کھاتے یا نفس کی روحانی قوتوں کیلئے کسی طور ضرر رساں ہیں اور ایسے اعمال کی انجام دہی میں مشقت محسوس کرتا ہے لہٰذا اسلامی قانون کے تمام احکام میں انسان کے اس فطری، اخلاقی میلان کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ بقول شاہ ولی اللہ: انسان کی قوت ملکیہ کے موافق اور موجب لذت تمام افعال اس کیلئے فرض اور تقاضائے بہیمیت کی جملہ باتیں ممنوع قرار دی گئی ہیں[1]۔ اور انسان کی نفسی استعداد سے بالاتر یا غیر معتاد مشقت والے اعمال کا اسے مکلف نہیں بنایا گیا کہ: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

یعنی اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں ٹھہراتا۔

چنانچہ شریعت اسلامیہ کے نمایاں ترین اوصاف اور اصول تشریع حنیفیت، یسر و سماحت،

---

[1] ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دفع حرج وغیرہ اسی حقیقت کے عکاس ہیں جس سے اخلاق کا منبع قانون ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے

۳۔ اسلامی قانون کے فطری اخلاق سے ماخوذ ہونے کا ایک اور بدیہی ثبوت یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی قانونی حیثیت اور شرعی نوعیت کا تعین بھی اعمال کی جذبات فطرت سے ملائمت اور ان کی تسکین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چونکہ نفس انسانی متنوع فطری غرائز وملکات کا مخزن ہے جن میں بعض خارجی اسباب یا باطنی محرکات کے زیر اثر تصادم اور کشمکش کا امکان بھی پایا جاتا ہے مثلاً ملکیت ذاتی کی محبت کا ملکہ اور مفاد اجتماعی کی تحصیل کا میلان باہم متصادم ہو کر انسانی اعمال میں تردد و اضطراب پیدا کر سکتے ہیں[1] فطری غرائز کے اس تصادم سے پیدا ہونے والے امکان اضطراب کے الزام کے لیے اسلامی قانون میں احکام کی شرعی حیثیت کا تعین اس انداز سے کر دیا گیا ہے کہ جو اعمال انسان کے غالب جبلی داعیات و تحریکات کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ان کی انجام دہی میں انسان کو کسی دشواری یا نفسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ان کو اباحت واستحباب کے دائرے میں رکھا گیا اور اس کے برعکس جو اعمال نفس کے مغلوب اور ایثار طلب داعیات کے زیر اثر ہونے کے باعث نفس کو قدرے مشقت میں مبتلا کرتے ہیں یا جو اعمال بظاہر جسمانی ومادی لذت بخشی کی بنا پر سہل ہیں مگر جن میں حقیقی روحانی اور فطری لحاظ سے ضرر کا پہلو غالب ہے ان کو بالترتیب وجوب اور حرمت کے سخت تاکیدی احکام کے دائرہ میں رکھا گیا۔

علامہ شاطبی رقمطراز ہیں۔

"الضروریات ضربان: احدھما ما کان للمکلف فیہ حظ عاجل مقصود کقیام الانسان بمصالح نفسہ وعیالہ۔۔۔ والثانی مالیس فیہ حظ عاجل مقصود کان من فروض الاعیان کالعبادات البدنیہ والمالیۃ ۔۔ فاما الاول فلما کان للانسان فیہ حظ عاجل، وباعث من نفسہ یستدعیہ الی طلب مایحتاج الیہ، وکان ذلک الداعی قویا جدا بحیث یحملہ قهرا علی ذلک، لم

---

[1] حفظ الرحمٰن: اخلاق اور فلسفۂ اخلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یؤکد علیه الطلب بالنسبة الی نفسه بل جعل ۔ ۔ ۔ مطلوبا طلب الندب لا طلب الوجوب، بل کثیرا ما یأتی فی معرض الاباحة ۔ ۔ ۔ اما اذا لم یکن فیه حظ او جهة نازع طبعی اوجبه الشرع عینا او کفایة ۔ ۔ ۔ فیتأکد الطلب فیما فیه حظ الغیر علی طلب حظ النفس المباشر و هذه حکمة بالغة[1]

یعنی احکام ضروریہ دو قسم پر ہیں ۔ ایک وہ جن میں انسان کی ذاتی مصلحت اور حظ نفس موجود ہو اور دوسری وہ جو انسان کے منافع عاجلہ کو متضمن نہیں ۔ پہلی قسم کے امور چونکہ انسان کے جبلی داعیات اور طبعی محرکات کے زیر اثر برضا و رغبت انجام پاتے ہیں اس لیے شریعت میں انہیں ندب و اباحت کے درجہ میں رکھا گیا لیکن دوسری قسم کے احکام اور وہ امور جو غیروں کے مصالح سے متعلق ہیں، چونکہ انسان ان کی انجام دہی کے لیے کوئی داخلی محرک نفسی داعیہ نہیں رکھتا اس لیے شریعت نے انہیں وجوب اور فرضیت کے تاکیدی دائروں میں رکھا ہے ۔

پھر چونکہ بعض اوقات خارجی یا داخلی عوارض انسانی اہمیت پر اثر انداز ہو کر شریعت کے اساسی احکام کی پیروی انسان کے لیے دشوار اور باعث مشقت بنا دیتے ہیں لہٰذا اس صورت حال کے تدارک کے لیے مبنی بر عزیمت احکام کے ساتھ ساتھ ایسے متبادل رخصتی احکام بھی رکھے گئے جن کی انجام دہی اصل مأمور بہ عمل کی یاد تازہ رکھنے کے علاوہ انسان میں ملکۂ اطاعت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ بھی بنتی ہے ۔

بقول شاہ ولی اللہ:

"فما کان من سنة اللّٰه فی شرائعه ان یسهل علیهم کل ما لا یستطیعونه وکان احق انواع التیسیر ان یسقط ما فیه حرج الی بدل لتطمئن نفوسهم، ولا تختلف الخواطر علیهم باهمال ما التزموه غاية الالتزام مرة واحدة[2]

---

[1] الشاطبی: الموافقات ج ۲ ص ۱۸۰ ۔ ۱۸۱ ۔

[2] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۱۸۰ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴- علاوہ ازیں چونکہ تمام انسانوں کی اندرونی کیفیتیں، اخلاقی استعدادات اور نفسانی قوتیں یکساں نہیں بلکہ جملہ نفوس انسانیہ کے استعدادات ایک دوسرے سے مختلف[1] ہیں ان میں جسمانی اور ایمانی اعتبار سے کمزور و پست ہمت بھی ہیں اور قوی و بلند حوصلہ بھی اس لیے تمام انسانوں کو ایک ہی نوعیت اور ایک ہی مرتبہ کے احکام و قواعد کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ تمام انسانوں کو ان کے حسب استعداد احکام شریعت کا مکلف بنانے کے لیے احکام شرعیہ کے مراتب میں بایں طور تمیز رکھی گئی کہ ہر حکم شدت اور تخفیف کے دو مرتبوں پر نازل ہوا اہل عزم و ہمت مرتبۂ شدت کے مکلف اور کمزور و پست ہمت لوگ مرتبۂ تخفیف کے مخاطب ٹھہرے اور تکوینی طور پر متعدد فقہی مذاہب کے اختلافات کو شریعت کے انہی دو مراتب کا آئینہ دار بنا کر تمام انسانوں کو کسی خاص فقہی مذہب کی پابندی کی صورت میں اپنے حسب استعداد احکام شرعیہ کو اپنانے کی سہولت مہیا کی گئی۔ اس بصیرت افروز حقیقت کا انکشاف و ابلاغ علامہ عبدالوہاب الشعرانی نے المیزان الکبریٰ میں یوں کیا ہے۔

"ان الشریعۃ المطھرۃ جاءت من حیث شھود الامر والنھی فی کل مسألۃ ذات خلاف علی مرتبتین: تخفیف وتشدید، لا علی مرتبۃ واحدۃ فان جمیع المکلفین لا یخرجون عن قسمین: قوی وضعیف من حیث ایمانہ او جسمہ فی کل عصر و زمان: فمن قوی منھم خوطب بالتشدید والاخذ بالعزائم ومن خوطب بالتخفیف والاخذ بالرخص وکل منھما حینئذ علی شریعۃ من ربہ وتبیان[2]

یعنی شریعت مطہرہ اختلافی نوعیت کے ہر مسئلے میں امر و نہی کے اعتبار سے تخفیف اور تشدد کے دو مرتبوں پر نازل ہوئی ہے کیونکہ ہر عصر کے انسان ایمانی اور جسمانی اعتبار سے قوی اور کمزور کے دو طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اہل قوت و ہمت شریعت

---

[1] ابن حزم: الاحکام فی اصول الاحکام ۶: ۱۷۱

[2] الشعرانی: المیزان الکبریٰ، ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مرتبہ تشدید وعزیمت کے مکلف اور کمزور و پست ہمت مرتبہ تخفیف و رخصت کے مخاطب ہیں اور ان ہر دو مراتب احکام کے پیرو بہر صورت شریعت الہیہ کے پابند ہیں۔

یہ ہیں وہ چند اجمالی اشارات جن سے یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہو جاتی ہے کہ اسلامی قانون کا منبع انسان کا فطری اخلاق ہے اب ہم ارتباط قانون و اخلاق کا ایک اور جہت سے جائزہ لیتے ہیں جو اخلاق کے غایت قانون ہونے سے تعبیر ہے۔

ثانیاً: اخلاق بحیثیت غایت قانون: اسلامی قانون پر مقصدیت اور مصلحیت کا اس قدر احاطہ ہے کہ کوئی بھی حکم مقاصد اور مصالح کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتا علامہ شاطبی اور آمدی وغیرہم کی یہ تصریح کہ:

"ان الشریعة وضعت لمصالح الخلق باطلاق[1]

یعنی شریعت اسلامیہ مطلقاً مصالح عباد کی تکمیل کے لیے وضع کی گئی ہے۔

ایک ایسی قطعی اور اٹل حقیقت ہے جو بے شمار ادلہ عقلیہ و نقلیہ کے استقراء سے یقین کی آخری حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ علامہ ابن القیم کے الفاظ میں:

"ان الشریعة مبناها واساسها علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد[2]

یعنی شریعت اسلامیہ کی بنیاد حکمتوں اور لوگوں کے دنیاوی و اخروی مصالح پر ہے۔

اور بتصریح عزالدین ابن عبدالسلام۔

"ان الدین کلها مصالح اما درء مفاسد او جلب منافع[3]

---

[1] الشاطبی: الموافقات، ج ۲ ص ۲۹ ؛ الآمدی: الاحکام ج ۳ ص ۱۲۴ [2] ابن قیم: اعلام الموقعین، ج ۳، ص ۳۔
[3] عزالدین: قواعد الاحکام فی مصالح الانام: ۱:۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی شریعت اسلامیہ سراسر مصلحت پر استوار ہے خواہ درء مفاسد کے طور پر یا جلب مصالح کی صورت میں لیکن اسلام میں مصلحت کا مفہوم ارسطو اور ہابز کی لذتیت[1] (   ) مل اور بینتھم کی افادیت[2] (   ) اور راشڈل کی مثالی افادیت (   ) سے یکسر مختلف ہے یہاں مصلحت سے مراد انفرادی اور اجتماعی سطح پر دنیاوی زندگی کی بطور مزرع آخرت فلاح و بہبود ہے علامہ شاطبی لکھتے ہیں۔

"المصالح المجتلبۃ شرعا والمفاسد المستدفعۃ انما تعتبر من حیث تقام الحیٰوۃ الدنیا للحیاۃ الاخریٰ لا من حیث اھواء النفوس فی جلب مصالحھا العادیۃ او درء مفاسدھا العادیۃ"[3] یعنی شریعت میں جلب مصالح اور درء مفاسد کا اعتبار حیات دنیوی کو فلاح آخرت کی خاطر بسر کرنے کی بناء پر ہے نہ کہ خواہشات نفس کے زیر اثر عمومی مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ پر۔

اور یہیں سے واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جس مصلحت عامہ کا تحقق مقصود ہے اس کا معیار سراسر موضوعی اور اخلاقی ہے علال الفاسی کے الفاظ میں۔

"مکارم الاخلاق مقیاس کل مصلحۃ عامۃ واساس کل مقصد من مقاصد الاسلام"[4]

یعنی اخلاق کریمانہ ہر شرعی مصلحت کا پیمانہ اور جملہ مقاصد اسلام کی اساس ہے۔

بالفاظ دیگر اسلامی شریعت کی غایت اخلاقی مصالح و مکارم کی تکمیل ہے۔

---

[1] نظریہ لذتیت کا ماحصل یہ ہے کہ ہر عمل کا جذبۂ محرکہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے بہ حیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کی جاسکے کیونکہ زندگی کا مقصد ہی حصول لذت و انبساط ہے، پس جو اعمال حصول لذت میں ممد و معاون ہوتے ہیں، خیر کہلاتے ہیں اور جو اس مقصد کے حصول کی راہ میں مانع ہوتے ہیں شر کہلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ کہ خیر وہ ہے جس سے اس کام کے کرنے والے کو اپنی لذت مقصود ہو، انسانی نظام تمدن کو کسی صورت میں قائم نہیں رکھ سکتا۔

[2] نظریہ افادیت کی رو سے کسی عمل کے خیر یا شر ہونے کا معیار یہ ہے کہ جو کام زیادہ سے زیادہ فائدہ یا نفع کا موجب بنے وہ خیر ہے اور جس کے نتائج سودمند ثابت نہ ہوں وہ شر ہے۔ اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی کام ایک وقت میں خیر قرار پائے اور دوسرے وقت میں شر کیونکہ ہر عمل کے نتائج ان خارجی حالات پر موقوف ہوتے ہیں جن کے تحت وہ ظہور میں آتا ہے۔

[3] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۳۷ [4] علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ و مکارمھا، ص ۱۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز انسانی زندگی کا نصب العین اور منتہائے مقصود اخلاقی کمال کا حصول ہے اور اخلاقی کمال عبارت ہے تعلق باللہ اور اس کی کامل بندگی سے جس کی اعلیٰ ترین صورت رضاءِ الٰہی کا حصول ہے۔

جیسا کہ:

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" [1]

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اور۔

"تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا" [2]

یعنی اسے مخاطب تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے غرض ہر طرح سے اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں۔

اور۔

"ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" [3]

یعنی انسانوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں۔

اور۔

"ورضوان من اللہ اکبر" [4]

یعنی بلا شبہ رضائے الٰہی سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔

وغیرہ ارشادات خداوندی سے عیاں ہے۔

اس مقصد زندگی کی تکمیل اور اخلاق کریمانہ کو فرد و معاشرہ کی زندگی میں عملاً سمونے کے لیے ربوبیت کبریٰ نے تین اساسی تدابیر اختیار کی ہیں۔

---

[1] الذاریات: ۵۶ [2] الفتح: ۲۹، [3] البقرہ: ۲۰۷، [4] التوبہ: ۷۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ ایک ایسے جامع اور ہمہ گیر اخلاقی اصول کا تعین کر دیا جو عمل و کردار کی تمام جزئیات کو ایک وحدت میں منسلک کر سکے، قرآن کی رو سے اخلاق کا یہ جامع معیار اور پیمانہ تقویٰ ہے جو تعلق باللہ محبت الٰہی اور اس کی صفات قدسیہ سے کسب فیض کی ایسی کیفیت سے تعبیر ہے جس کے حصول کے بعد مومن کی تمام تر تگ و پوئے حیات کا محور خیر اعلیٰ کا حصول ٹھہرتا ہے[1]

اب ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ کے تمام احکام خواہ عبادات سے متعلق ہوں یا، معاملات سے، حصول تقویٰ و اخلاق کے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ تعبدی احکام کے سیاق میں لعلکم تتقون کی تعلیلی تعبیر کا استعمال تو قرآن کریم میں عام ہے۔

مثلاً۔ روزہ کے بارے میں فرمایا:

"یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون"[2]

یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گیے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

صدقہ زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہے۔

"خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا"[3]

یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول فرمائیے اس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔

نماز کے بارے میں تصریح ہے کہ۔

"ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر"[4]

---

[1] حنیف ندوی: اساسیات اسلام، ص ۲۲۲

[2] البقرہ: ۱۸۳

[3] التوبہ: ۱۰۳ [4] العنکبوت ۴۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی بلاشبہ نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔

اور حج کے ضمن میں فرمایا:

"وتزودوا فان خیر الزاد التقوی" [1]

یعنی زاد راہ اختیار کرو اور بہترین زاد تقویٰ ہے۔

اور حقوق العباد سے متعلق معاملات کو تقویٰ سے وابستہ کرنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ:

"واتقوا اللہ الذی تسآءلون بہ والارحام" [2]

یعنی اس خدا سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے بارے بھی غور کرنے سے یہ حقیقت اجاگر ہو جاتی ہے کہ حقوق اللہ کی طرح حقوق العباد اور حقوق النفس کی نگہداشت بھی تقویٰ کا تقاضا اور ان سے متعلق جملہ شرعی احکام حصول تقویٰ کا وسیلہ ہیں۔

ب۔ تزکیۂ نفس اور اخلاقی کمال کے حصول کی خاطر باری تعالیٰ نے دوسرا بنیادی اہتمام یہ کیا کہ ہادئ انسانیت رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات میں تمام اخلاقی اقدار اور جملہ محاسن وکمالات کو جمع فرما کر۔ انک لعلیٰ خلق عظیم [3] یعنی بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر فائز ہیں کا مژدہ جانفزا، سناتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو رہتی دنیا انسانیت کے لیے اخلاقی کمال کے حصول میں بہترین نمونہ عمل ٹھہرایا۔ یوں شریعت اسلامیہ کا وہ حصہ جو حیات تشریعی وکرداری میں اتباع سنت سے متعلق ہے وہ بھی تعمیر اخلاق کا ایک ذریعہ قرار پاتا ہے۔

ج۔ اس سلسلہ میں تیسری تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ مسلمانوں کو ایسی جامع ومانع شرعی اور منہاجی تعلیمات اور اعتقادی وعملی ہدایات سے بہرہ ور کیا جو ایک طرف توحید ورسالت

---

[1] البقرہ: ۱۹۷

[2] النساء: ۱

[3] القلم: ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مکافات و مسؤلیت آخرت پر ایمان و اعتقاد کے ذریعہ مذہبی شعور و احساس کو بیدار کرکے اخلاق کا ذہنی و فکری ہیولی تیار کرتی ہیں اور دوسری جانب مسلمانوں کی سیرت و کردار کو سنوارتی اور عملی اخلاقی سانچوں میں ڈھالتی ہیں[1] ۔ اور اسی سے اسلامی قانون کے تمام نظری اور عملی احکام کا ذریعہ، تہذیب نفس و تکمیل اخلاق ہونا بخوبی واضح ہو جاتا ہے ۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت یوں ممکن ہے کہ ایمان جو کہ مذہب کا اصل الاصول اور جوہر حیات ہے[2] اس کی خارجی علامت اور معیار کمال اخلاق حسنہ کو ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ سورۂ مؤمنون کی ابتدائی آیات ۔

"قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلك فاولٓئك ھم العادون والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون [3]

یعنی بے شک ایمان والے دونوں جہان میں بامراد ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازیں

---

[1] حنیف ندوی : اساسیات اسلام، ص ۲۲۳

[2] ایمان کے معنی بنیادی طور پر زوال خوف اور طمانیت نفس کے ہیں لیکن اصطلاح میں یہ اذعان النفس للحق علی سبیل التصدیق یعنی تصدیق قلبی سے حق کے اقرار اور اس کی متابعت سے تعبیر ہے ۔ اور یہ کیفیت بقول امام راغب تین چیزوں کے یکجا ہونے سے حاصل ہوتی ہے ۱۔ تصدیق بالقلب ۔ ۲ اقرار باللسان اور ۳ ۔ ان کے مطابق عمل بالجوارح کا عہد و التزام ۔

بنا بریں ایمان اس عقیدہ کا نام ہے جو انسان کی جذباتی، فکری اور عملی کل زندگی میں اس طرح رچ بس جاتا ہے اور یوں حیات انسانی کے لیے ایمان کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لیے خون کی ہے کہ ایمان ہی فرد و قوم کی شخصیت کو زندگی و توانائی بخشتا اور اس کے نشو و ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے ۔

[3] سورہ مومنون : ۱ - ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عاجزی کرتے ہیں، اور جو بے ہودہ باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں اور مملوکہ کنیزوں کے پھر جو لذت نفس کے لیے ان دو کے ماسوا اور کچھ چاہے تو یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ مومن بامراد ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

اور ارشاد نبوی:

"اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا"[1]

یعنی مؤمنوں میں ایمان کے لحاظ سے کامل ترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے"۔ سے پوری طرح عیاں ہے۔

اب اگر ایمان بمعہ اپنے لوازم و آثار یعنی اخلاق حسنہ کے اسلامی زندگی کا قلب و جوہر اور مرکز و محور ہے تو باقی تمام اجزائے دین اور جملہ نظامہائے شریعت اس جوہر حیات کی حفاظت و تقویت کی خاطر وضع کیے گئے ہیں۔

استاذ مصطفیٰ کمال وصفی لکھتے ہیں۔

"لاشك ان الایمان ھو جوھر الحیاۃ الاسلامیۃ وقلبھا ولکن الایمان لایستقیم امرہ الا بحسن اداء العبادات، فان ممارستھا باطمئنان ونظام فی اوقاتھا وبشروطھا ومکملا تھا یؤدی الی حفظ الایمان وتقویتہ، وسوء اداء العبادات او التفریط فیھا یؤدی الی تحلل الایمان وقلقلۃ فی النفس . . . والعبادات بدورھا لا تؤدی اداء حسنا باطمئنان وانتظام وبحیث تنتج فائدتھا الروحیۃ فی حفظ الایمان وتقویۃ الا اذا کانت العلاقات القریبۃ طیبۃ مع الناس التی ھی عبارۃ عن الاحوال الشخصیۃ للانسان . . . والعلاقات القریبۃ لا تنتظم الا فی ظل

---

[1] الترمذی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام الاجتماعی اسلامی یقیم العادات الاسلامیة علی وجهها مؤکدة بالحدود السرادعة... وکذلک فالنظام الاجتماعی لا یستقر الا فی ظل اقتصاد ومعاملات اسلامیة فهما اللذان یکفلان ان تظل القیم المعنویة فوق المادة بین المسلمین ولاکن الانسان لا یستطیع ان یلتزم الاصول الاسلامیة وحدہ فی علاقته مادام ان الدولة ذاتها لا تسیر علی النظام الاسلامی ولذلک فلا یکن حفاظة الایمان الا عن طریق اقامة النظم الاسلامیة والاحکام الشرعیة کلها [1]

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان اسلامی زندگی کا قلب و جوہر ہے لیکن اس کی بقاء اور حفاظت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ عبادات کو پابندیٔ وقت اور تمام شروط و آداب کے ساتھ بحسن و خوبی انجام دیا جائے کیونکہ عبادات میں استقامت ایمان کے تحفظ کی ضامن ہے اور عبادات میں خلل ایمان میں خلل کا موجب پھر یہ ہے کہ عبادات کو نظام و اطمینان کے ساتھ تبھی انجام دیا جا سکتا ہے جب کہ انسان کے احوال شخصیہ اور روابط و تعلقات عمدہ اور محکم بنیادوں پر استوار ہوں اور اس کا انحصار اسلام کے اجتہادی نظام اور معاشرتی احکام و آداب کے نفاذ پر ہے۔ جب کہ خود اجتماعی نظام کی بقاء اور تحفظ کے لیے اقتصادی نظام اور مالی معاملات کہ اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا ضروری ہے۔ اور آگے بڑھیں تو کوئی شخص اپنے انفرادی معاملات اور زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق تعمیر نہیں کر سکتا جب تک خود حکومت و ریاست کا پورا دستوری اداری اور قومی و بین الاقوامی نظام اسلام کے مطابق نہ ہو۔ اس اعتبار سے یہ امر واضح ہے کہ عبادات سے لے کر بین الاقوامی نظام تک سبھی دائروں پر محیط احکام شرعیہ دراصل ایمان ہی کی حفاظت و تقویت کے لیے عطا فرمائے گئے ہیں۔

اور یوں عبادات سے لے کر زندگی کے اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی نظام

---

[1] مصطفیٰ وصفی: مصنفہ النظم الاسلامیہ، ص ۸ - ۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک سے متعلق سب کے سب احکام شریعت اخلاق حسنہ کی تکمیل وحفاظت کے وسائل کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

۲۔ شریعت اسلامیہ پر محیط مصلحت کی تعریف غزالی نے یہ کی ہے کہ:

"ھی ما یتحقق بہ مقصود الشارع من المحافظۃ علی الضروریات والحاجیات والتحسینیات"[۱]

یعنی اسلام میں مصلحت وہ ہے جس سے ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی حفاظت کے سلسلہ میں شارع کا مقصود پورا ہو۔ ضروریات سے مراد وہ امور ہیں جن پر دین، نفس، نسل، عقل اور مال کی حفاظت کا انحصار ہے اور جن کے بغیر نظام زندگی کا قیام اور اخروی سعادت وفلاح کا حصول ممکن نہیں۔

علامہ شاطبی کے الفاظ میں۔

"اما الضروریۃ فمعناھا انھا لابد منھا فی قیام مصالح الدین والدنیا، بحیث اذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامۃ بل علی فساد وتھارج وفوت حیاۃ وفی الاخری فوت النجاۃ والنعیم والرجوع بالخسران المبین"[۲]

یعنی شریعت کے مقاصد ضروریہ سے مراد وہ امور ہیں جو دینی اور دنیاوی مصالح کے قیام کے لیے ناگزیر ہیں بایں طور کہ اگر یہ مفقود ہو جائیں تو دنیا کا نظام فساد و اضطراب کا شکار ہو جائے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے اور آخرت میں انسان نجات اور نعمتوں سے محروم ہو کر خسران مبین کا مورد ٹھہرے۔

یہ ضروریات درحقیقت انسان کے وہ اساسی فطری اخلاق ہیں جو امام رازی شاطبی آمدی غزالی قرافی اور ابن تیمیہ وغیرہ کی تصریحات کے مطابق تمام اقوام وملل اور جملہ انسانی معاشروں میں ہمیشہ معتبر اور واجب التحفظ رہے ہیں[۳]

---

[۱] الغزالی: المستصفی، ج ۱، ص ۱۴۰

[۲] الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۱۰۸

[۳] الرازی: المحصول، ج ۲، ق ۲، ص ۲۲۰؛ الآمدی: الاحکام، ج ۳، ص ۳۹۴؛ القرافی: شرح تنقیح الفصول، ص ۳۹۴؛ الشاطبی: الموافقات، ج ۲، ص ۱۰؛ ابن تیمیہ: مجموع فتاویٰ، ج ۳۲، ص ۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی شریعت کے تمام اعتقادی، تعبدی، تعاملی اور تعزیری احکام درحقیقت انہی مصالح خمسہ ضروریہ کی حفاظت و تقویت کے لیے وضع کیے گئے ہیں یہ حفاظت و تقویت دو رُخ رکھتی ہے: ایک ایجابی جو ان مصالح ضروریہ کے وجود و قیام سے متعلق مثبت احکام سے عبارت ہے اور دوسرا سلبی جو ان مصالح کو اختلال و انخلال سے بچانے کے لیے انسدادی و تعزیری احکام پر مشتمل ہے۔

ضروریات کے بعد حاجیات کا مرتبہ آتا ہے جو یہ مصالح ضروریہ کی حفاظت و تقویت میں سہولت و آسانی پیدا کرنے اور حرج و مشقت رفع کرنے کے لیے وضع کیے گئے احکام سے عبارت ہے۔ جو عبادات، عادات، معاملات اور جنایات کے تمام تشریعی دائروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آخر میں تحسینیات کا درجہ آتا ہے جو درحقیقت ضروریات و حاجیات کی تکمیل کے طور پر محاسن عادات سے آراستگی اور مروت و عدالت کے منافی عادات سے اجتناب کا نام ہے [1]

ان احکام و مصالح کا دائرہ بھی عبادات، عادات، معاملات اور جنایات کے تمام قانونی شعبوں پر پھیلا ہوا ہے۔

مصالح خمسہ کی حفاظت کے سلسلہ میں ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے تینوں مراتب باہم اس طرح مربوط اور لازم و ملزوم ہیں کہ ایک طرف مصالح ضروریہ بقیہ دونوں کے لیے اصل و اساس اور محور و جوہر کی حیثیت رکھتی ہیں تو دوسری جانب ضروریات کی تحصیل کی خاطر حاجیات اور تحسینیات کا التزام بھی ناگزیر ہے کیونکہ ان دونوں کے باطلاق اختلال سے مصالح ضروریہ کی جزوی اختلال پذیری یقینی ہے [2] ان تصرفات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو کر سامنے آگئی کہ زندگی کے اساسی مصالح یعنی دین، نفس، آبرو، عقل اور مال کی حفاظت و تقویت سے متعلق فطری مظاہر اخلاق اپنے ضروری، حاجی اور تحسینی تینوں مراتب و مدارج میں شریعت اسلامیہ کے جملہ اعتقادی، تعبدی،

---

[1] دیکھیے الموافقات، ج ۲، ص ۱۱۱

[2] ایضاً ص ۱۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عادی، تعاملی اور تعزیری احکام و ضوابط کے محور و غایت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۳۔ حیات انسانی کے جملہ آداب و اخلاق کا خلاصہ تین چیزیں ہیں، حق، فرض اور ایثار اور یہی تینوں شریعت اسلامیہ کے تمام احکام و قوانین کے محوری مدارج بھی ہیں۔ ان میں ادنیٰ ترین مرتبہ حق کا ہے اس کے بعد فرض کا درجہ آتا ہے جب کہ اعلیٰ ترین مقام ایثار و قربانی کو حاصل ہے۔ وضعی قوانین کی نظر میں انسان کے حقوق اس کی شخصی اغراض کے ذرائع تکمیل اور فرائض حصول حق و بدل کے تدابیر کی حیثیت رکھتے ہیں[1] جب کہ اسلامی شریعت نے تعمیر سیرت و تہذیب نفوس کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ حقوق کی تحصیل و تکمیل اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کو ایثار و قربانی کے لیے تیاری کے تربیتی مراحل کے طور پر اپنایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت کی رو سے تمام انسانی حقوق کی حیثیت شخصی اغراض کے ذرائع تکمیل کی بجائے اجتماعی وظائف (SOCIAL FUNCTIONS) ایثار شعارانہ دینی اختصاصات اور اعلیٰ تر تہذیبی غایات کے وسائل تکمیل کی ہے یعنی ہر فرد معاشرہ اپنے تمام فطری، دینی، تمدنی اور قانونی حقوق و اختیارات کو اپنی مادی اغراض کی بجائے ایمانی تقاضوں کی تکمیل، تمدنی مقاصد و اہداف کی تحقیق اور اجتماعی مصالح و مفادات کی تحصیل کے لیے استعمال کرنے اور بروئے کار لانے کا پابند ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی:

"وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن اللہ الیک"[2]

یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور مخلوق پر احسان کیا کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔

---

[1] فلسفۂ قانون و اخلاق ص ۲۵۔

© rasailojaraid.com

[2] القصص: ۷۷

© rasailojaraid.com

میں اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے جس سے بخوبی عیاں ہوجاتا ہے کہ اسلامی قانون کے تمام احکامات اور اختصاصات درحقیقت تکمیل اخلاق کے ذرائع و وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اب ہم ارتباط قانون واخلاق کے تیسرے پہلو کا بالاختصار ذکر کرتے ہیں۔

ثالثاً — اخلاق بطور لازمۂ قانون :

مغربی مفکرین کے نزدیک قانون اور اخلاق دو مختلف معیاری نظام (NORMATIVE SYSTEMS) ہیں جو اگرچہ بعض مقامات پر ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں لیکن عموماً ایک دوسرے سے یکسر اختلاف اور عدم ہم آہنگی کا شکار ہیں۔ چنانچہ کانٹ کے بقول قانون ہمارے خارجی طرز عمل کو تجویز کرتا ہے اور اخلاق ہمارے داخلی طرز عمل کو متعین کرتا ہے[1] اسی طرح (KELSEN) اخلاقی تصورات کو قانون میں سمو دینے کا سخت مخالف اور مجرد قانون (PURE LAW) کے نظریہ کا حامل ہے[2]

اسلام کا تصور قانون اس سے مختلف ہے۔ اسلامی قانون دین فطرت کا ایک لازمی جزو ہونے کی حیثیت سے اپنے اندر روحانی اور اخلاقی نظام اس طرح سموئے ہوئے ہے کہ وہ ایک کل کے دو لاینفک اجزاء اور باہم لازم وملزوم نظر آتے ہیں۔ اسلام میں قانون اور اخلاق کا یہ تلازم بنیادی طور پر دو جہتیں رکھتا ہے۔

۱- دنیا میں امن وامان اور عدل وانصاف کے قیام، حیات اجتماعیہ کی شیرازہ بندی اور فتنہ و فساد کے قلع قمع کے لیے قانون اور اخلاق دونوں یکساں ضروری ہیں۔ قانون کی بنیاد عدل حقیقی پر استوار ہے جبکہ اخلاق احسان ورواداری سے تعبیر ہے۔ ایک عالمگیر شریعت کے لیے عدل واحسان اور قانون واخلاق دونوں کا جامع ہونا ناگزیر ہے کیونکہ ان دونوں کا مصدر ومنشاء ایک ہے اور تنہا ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی ہے جس کی تلافی دوسرے سے

---

[1] تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ۱: ۴۲ -

[2] اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲: ص ۱۹۴ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے۔ قانون برائیوں کا انسداد تو کر دیتا ہے لیکن دل میں برائی کی طرف سے کراہت و ناپسندیدگی کا روحانی کیف پیدا نہیں کرتا جبکہ محض اخلاقی مثالیت کے ذریعہ عدل و انصاف کا قیام اور برائیوں کا کلیتہً استیصال ممکن نہیں [۱] اس کے لیے قانون و اخلاق کی باہم یکجائی ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت عدل و احسان اور قانون و اخلاق دونوں کی جامع ہے۔ شریعت کے تمام احکام میں یہ دونوں اصول جاری و ساری ہیں کہ

"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان [۲]

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے، کے عموم و اطلاق کا یہی تقاضا ہے۔ اسلامی قانون اور اخلاق کے اس تلازمی ارتباط کی چند نظائر ملاحظہ ہوں

ا۔ عبادات و اعمال خیر کی یکجائی کے سلسلہ میں عمومی ارشاد ہے:

یاایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون۔ [۳]

یعنی اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکیاں کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ب مالی معاملات سے متعلق فرمایا۔

"ان تبتم فلکم رؤس اموالکم [۴]

یعنی اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ یہ قانون ہے۔ اور

"وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ [۵]

یعنی اگر تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دو۔ یہ اخلاق ہے۔

---

[۱] سلیمان ندوی: سیرت النبی، ج ۶ ص ۹۴۔

[۲] النحل: ۹۰۔

[۳] الحج: ۷۷

[۴] البقرہ: ۲۷۹، ۲۸۰۔

[۵] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ج۔ حدود و تعزیرات سے متعلق عمومی ہدایت ہے:

"وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين"[1]

یعنی اگر تم سزا دینا چاہو تو اسی قدر سزا دو جتنی تکلیف تمہیں پہنچائی گئی ہے اور اگر تم ان کی ستم رانیوں پر صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔

د۔ قصاص کے بارے میں تصریح آئی:

"یا ایها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی"

یعنی اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض ہے

ساتھ ہی اخلاق کی تعلیم دی: "فمن عفی له من اخيه شئ"[2]

یعنی قاتل کو اس کے بھائی کی جانب سے (قصاص) معاف کر دیا جائے۔

۲۔ اسلام میں قانون و اخلاق کے تلازم کا دوسرا بنیادی رُخ امتثال احکام شریعت اور پابندیٔ قانون سے متعلق ہے کہ یہاں احکام شریعت کی پیروی محض قانون فرائض کی بجا آوری سے سبکدوشی کا نام نہیں بلکہ شخصی اور اجتماعی مسئولیت کے دوگونہ احساس سے سرشار ہو کر دنیاوی مصالح کی تکمیل اور اخروی سعادت کے حصول کی خاطر، احکام شرعیہ کو فطری مقتضیات اور طبعی اخلاق کی حیثیت میں پورے اخلاص اور قلبی آمادگی کے ساتھ انجام دیتے ہوئے روح قانون کے تقاضوں کی تکمیل سے عبارت ہے۔

ذیل میں تلازم قانون و اخلاق کے اس رخ کی کسی قدر وضاحت کیلئے چند اجمالی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ اخلاق اپنی ماہیت میں نفس کے ملکہ راسخہ سے عبارت ہے جو قوائے شہویہ و غضبیہ کی تعدیل اور تربیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے کہ بقول امام غزالی: قوت تفکر

---

[1] النحل: ۱۲۶۔

[2] البقرہ: ۱۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوت شہوت اور قوت غضب کی اصلاح و اعتدال کا نام حسن خلق ہے [1]

ان قوائے انسانی کی تعدیل و تربیت [2] اور استحکام و تقویت کا مؤثر ترین ذریعہ احکام شرعیہ کی پیروی میں عمدہ اور قابل تعریف اعمال کی بالاستمرار انجام دہی ہے۔ کیونکہ انسان کے قلب کی حالت اس کے جسمانی وجود کے خارجی افعال سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے [3] کہ وہ اپنے ارادۂ اختیار سے جو عمل بھی انجام دیتا ہے وہ اسکے باطن اور نفس ناطقہ میں ایک پائیدار اثر چھوڑتا ہے اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عمل کی نوعیت کے مطابق یا تو انسانی کا نفس نورانی بنتا جاتا ہے یا اس پر ظلمت چھاتی جاتی ہے [4]

---

[1] الغزالی، میزان العمل ص ۵۶۔

[2] یہ سوال علم الاخلاق میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ آیا جہد و عمل، سعی و ریاضت اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ نفس انسانی کی اخلاقی ہیئت و استعداد میں تبدیلی اور نشو و نما کا امکان ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو کس حد تک؛ بالفاظ دیگر اخلاق سراسر طبعی چیز ہے یا اسکی تکوین و تعمیر میں کسی طور کتساب کو بھی دخل حاصل ہے! اس بارے میں قدیم جدید علماء کا شدید اختلاف ہے لیکن کتاب و سنت کی روشنی میں پسندیدہ رائے یہی ہے کہ بعض اخلاقی فضائل کلیۃً طبعی ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہوتے ہیں اور بعض کسبی ہیں جنہیں محنت و ریاضت کے ذریعہ اپنے اندر پیدا کیا جاسکتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ "فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا" میں اخلاق طبعی کی طرف اور ارشاد مقدس: "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم" میں اخلاق کسبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اخلاق کے ان خارجی مظاہر و اعمال کی طرح نفس کی باطنی استعدادات اور جبلی عزائز و ملکات بھی نشو و نما اور بالیدگی کے لیے مسلسل توجہ و التفات، تعلیم و تربیت، مشق و ریاضت اور مجاہدہ و عبادت کے محتاج ہیں در اصل اخلاقی ملکہ نفس کی ایک بالکل سادہ قوت سے عبارت ہے جس میں یہ قابلیت ودیعت ہے کہ اسے تہذیب و تربیت کے ذریعہ نشو و نما دی جائے اور اگر اسے بیکار چھوڑ دیا جائے تو یہ ضعف و کمزوری کا شکار ہو کر بالآخر ختم ہو جاتا ہے ۔

اس ملکۂ اخلاق کی تربیت اور نشو و نما منحصر ہے ایسے اعمال کی پیہم اور مسلسل انجام دہی پر جو نفس کی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق اور قلب انسانی کا تقاضا ہیں اور جو اسلامی شریعت کے اعتقادی، تعبدی، تعاملی اور تعزیری احکام کی صورت میں ارزاں ہے۔ تاہم ان اعمال شرعیہ کی ایک دو بارہ ادائیگی ملکۂ اخلاق کی تربیت کیلئے کافی نہیں بلکہ تسلسل و استمرار مشق و ممارست اور دوام و مواظبت لازمی ہے کیونکہ مجموعہ عصبی کے ایک مخصوص طریق پر ڈھلنے کیلئے مسلسل تربیت و مشق کو بہت بڑا دخل ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے: ارشاد فرمایا: احب الاعمال الی اللہ ادومھا و ان قل - یعنی وہ عمل جو ہمیشہ کیا جائے - (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن کوئی بھی نیک عمل انسان کے باطن پر اس وقت تک پائیدار اثر نہیں مرتب کر سکتا جب تک اس کی انجام دہی میں انتہائی اخلاص، قلبی آمادگی اور صفائے نیت کا عنصر شامل نہ ہو کیونکہ اصل چیز عمل قلب ہے، جوارح کے ظاہری اعمال تو صرف اس کے اشباح و تواب اور خارجی مظاہر و مؤکدات کی حیثیت رکھتے ہیں ۱؎

یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت میں نفس عمل مطلوب نہیں بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض و غایت صحیح اور نیت درست ہو ۲؎

جیساکہ شریعت اسلامیہ کے نظریۂ اعتبار مآل سے عیاں ہے ۳؎

کیونکہ اگر حسن نیت نہ ہو تو بظاہر بڑے سے بڑا دین اور اخلاق کا کام بھی شریعت اور اخلاق کے دائرے سے خارج اور روحانی خیر و برکت اور اخروی فلاح و سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بنا بریں شریعت کے احکام و اعمال جو حصول ملکۂ اخلاق کے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں اس وقت تک کوئی مفید و مثبت نتیجہ مرتب نہیں کر سکتے جب تک انہیں کامل اخلاص، خلق اور خدا کے حضور دوگونہ جذبۂ صداقت اور پورے حسن نیت کے ساتھ نہ انجام دیا جائے اس حسن نیت کا جوہر یہ ہے کہ انسان اپنی اغراض نفسانیہ سے مکمل طور پر پاک ہو کر محض اتباع و امتثال حکم کے ارادے سے احکام شرعیہ کو بجا لائے۔ علامہ شاطبی کے الفاظ ہیں

۱؎ الغزالی: الاربعین ص ۹۲ ؛ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ: ۱: ۲۲، ۲۳۔

۲؎ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ: ۲: ۳۳

۲؎ سلیمان ندوی: سیرت النبی، ج ۶: ص ۵۰

۳؎ اعتبار مآل شریعت اسلامیہ کا ایک نہایت اہم فقہی اور سماجی نظریہ ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل کسی نہ کسی مقصد کے حصول کی خاطر انجام پاتا ہے جو اس عمل کے ظہور میں آنے کا محرک اور باعث بھی بنتا ہے اور اسی کی بنیاد پر اس فعل کے بالذات جواب اور خطا ریا مفید اور مضر ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اگر اس کے نتائج فرد و معاشرہ کے حق میں بہتر ہوں تو عمل صائب اور مفید ہے ورنہ خطا، مضر اور قابل احتراز۔

عمل کی افادیت اس کے مآل پر منحصر ہونا انسانی زندگی کی وہ عمومی خاصیت ہے جو اس کے انفرادی اور اجتماعی تمام زاویوں پر یکساں محیط ہے اور زندگی کی تشکیل و تنظیم کے تمام تمدنی وسائل خواہ نظری ہوں یا عملی، افرادی ہوں یا اداراتی اور قانونی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المطلوب من المکلف ان یکون قصدہ فی العمل موافقاً لقصد الشارع فی التشریع لان المکلف خلق لعبادۃ اللہ وذالک راجع الی العمل علی وفق القصد فی وضع الشریعۃ [۵۴]

یعنی مکلف سے یہ مطلوب ہے کہ اعمال شرعیہ کی انجام دہی میں اس کا قصد و ارادہ مکمل طور پر شارع کے قصد و مشیت سے موافقت رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا مقتضی یہی ہے کہ بندہ اس مقصد کے مطابق عمل کرے جس کی خاطر شریعت کو وضع کیا گیا ہے۔

اور چونکہ شارع کا مقصود احکام شرعیہ سے اخلاق کریمانہ کی تحصیل و تکمیل ہے لہٰذا بندہ ان احکام کی بجا آوری میں جو نیت و ارادہ رکھے وہ بھی شارع کی اتباع میں تکمیل اخلاق یا حصول ملکۂ اخلاق ہی ہونا چاہیئے۔

ب۔ اسلام کے تصور آخرت اور نظریۂ معاد کا محور یہ ہے کہ عقبیٰ میں انسان کو اپنے ان تمام اعمال کا حساب دینا ہوگا جو اس نے حیات دنیاوی میں انجام دیے اور اس کی اخروی زندگی کی سعادت و شقاوت کا انحصار اس امر پہ ہوگا کہ اس نے اپنے خالق کے احکام کی بجا آوری کہاں تک کی۔

یوں آئندہ کی جزا سزا اور حیات بعد الممات کا تصور وہ قوی ترین ذریعہ ہے جسے اسلام نے انسانوں کی سیرت و کردار کی تعمیر اخلاق کریمانہ کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے [۵۵]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوں یا اخلاقی سب کی بنیاد اسی خاصا حیات پر استوار ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کے تمام مقاصد، مصادر اور احکام کا کلی استقراء یہ حقیقت واشگاف کر دیتا ہے کہ اس کا قانونی اور اخلاقی نظام سراسر نظریۂ اعتبار مآل پر استوار ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، الموافقات، ج ۱ ص ۱۹۴ و مابعد ج ۴: ص ۱۹۴ و مابعد

۵۴ الشاطبی: الموافقات، ج ۲: ص ۳۳۱

۵۵ امیر علی: روح اسلام، ص ۳۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ اس اعتقاد کا لازمی نتیجہ وہ حاسۂ اخلاقی ہے جو ضمیر، وجدان اور نفس لوامہ کی صورت میں ایک قوت حاکمہ کے طور پر انسان کے نفسی داعیات، خواہشات اور ارادوں کی نگرانی کرتا اور ان احکام واقتدار کے اخلاقی تقاضوں کی پاسداری کرتا ہے جن کی انجام دہی انسان کا شرعی فریضہ ہے۔ یہ حاسۂ اخلاقی مسلمان کو ہمیشہ خوف خدا اسے سرشار رکھتا اور تمام اعمال کی بجاآوری میں دیانت وتقویٰ کی بنا پر روح قانون کے تقاضوں کی تکمیل پر آمادہ کرتا ہے۔

اور یوں قانون کو انسانوں کے دل و دماغ پر معنوی اور باطنی غلبہ واقتدار حاصل ہوجاتا ہے جس کے بعد قانون اپنے نفاذ کے لیے حکومت وریاست کے انتظامی جبر کا محتاج نہیں رہتا بلکہ ہر شخص خود ہی قانونی احکام کو تقویٰ واخلاق کے ذرائع ووسائل کی حیثیت سے اپنا لیتا ہے[1] اور اسلامی قانون کی یہی وہ سب سے بڑی خوبی ہے جس سے دنیا کے دیگر تمام قانونی نظام یکسر محروم ہیں اور ہمیشہ محروم رہیں گے کیونکہ ان کی بنیاد دین کی بجائے مادیت پر استوار اور ان کا واضع خالق نہیں مخلوق ہے۔

الغرض اسلام میں قانونی نظام دین کا ایک جزو ہونے کے ناطے انسان کے فطری داعیات خیر سے پھوٹتا، حصول ملکۂ اخلاق کی غایت سے تکمیل پاتا اور حاسۂ اخلاقی کے زیر اثر عمل کے قالب میں ڈھلتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

---

[1] عبد القادر عودہ: اوضاعنا القانونیۃ، ص ۳

© rasailojaraid.com